

زندگی بن گئے ہو تم

”یہ کیا مصیبت ہے، بھئی۔۔ نئی دلہن کو۔۔ کم از کم ایک مہینے تک تو کام کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے“
خوش بخت نے صبح صبح میاں جی کے لیے بل دار پراٹھے بلیتے ہوئے اپنے مہندی لگے ہاتھوں پر ایک نظر ڈالی تو چڑ کو سوچا۔

”خوشی۔۔۔ او میری۔۔ زندگی کی پہلی خوشی۔۔ یار۔۔ ناشتہ لے بھی آؤ“ ارمان کے اتنے پیار سے پکارنے پر اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

خوش بخت نے باریک کتری پیاز اور ہری مرچوں کا سنہری آلیٹ پلیٹ میں نکالا، بھاپ اڑاتی چائے کے دو کپڑے میں رکھے اور بیزار چہرے پر مسکراہٹ کا نقاب اوڑھ کر باہر نکل گئی۔ نیا گھر، نیا ماحول۔۔ وہ اپنی ماں کی ہدایات کو زیر نظر رکھے ہوئے یہاں پھونک پھونک کر قدم رکھتی۔ اپنے چہرے پر ہمہ وقت نرم سا تاثر طاری کیے زیادہ بولنے کی جگہ سوچتی رہتی۔۔

خوش بخت کی شادی کو صرف پندرہ دن ہی گزرے تھے اور اس کی ساس نے گھر کی ساری ذمہ داری اس کے نازک کاندھوں پر لا دی۔ شادی کے ایک ہفتے بعد ہی جاری ہونے والے نادر شاہی حکم پر وہ اندر ہی اندر

وہ سوکرائھی، چائے کی طلب میں بچن کی طرف گئی تو دیکھا کہ خورشیدہ اشتیاق نے بڑے سے پتلے میں کھیر چڑھائی ہوئی تھی، اس کے استعار پر پتا چلا کہ اس کی ہاتھ چھلائی کی رسم ادا کی جا رہی ہے۔ انہوں اسے کھیر دیکھنے کا کہا اور خود اس کے گھر والوں کو فون کر کے رات کے کھانے کی دعوت دینے چل دیں۔

”اتنی جلدی۔۔۔ سب کام مجھے سنبھالنے ہوں گے“ خوشی ہکا بکا بچن میں تنہا کھڑی رہ گئی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کام کہاں سے شروع کرے۔

”دیکھیں۔۔۔ سلمیٰ بہن۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ خوشی کو اس گھر میں اجنبیت کا احساس ہو، ہم چار تو لوگ ہیں یہاں۔۔۔ کام کا کوئی خاص بوجھ نہیں، صاف صفائی کے لیے شریفاں آ جاتی ہے۔۔۔ بس اوپر کے کام اور کھانا ہی پکانا ہوتا ہے۔۔۔ اچھا ہے یہ اس گھر کے طور طریقے جلد ہی سیکھ لے۔ اب سب کچھ ہماری دہن کو ہی تو سنبھالنا ہے۔ اچھا ہے۔۔۔ اپنی من چاہی گھرداری شروع کرے،“ خوشی کی امی کے دبے دبے اعتراض پر خورشیدہ نے واضح الفاظ میں اپنا موقف سب کے سامنے رکھا۔

”آنٹی کہتی تو آپ ٹھیک ہیں۔۔۔ اگر ساری سائیں آپ کی طرح سوچیں تو روز روز کی دانتا کل کل سے جان چھوٹ جائے اور گھروں میں سکون ہو جائے“ خوش بخت کی بھابھی عمیمہ نے اپنی ساس کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بظاہر مسکرا کر کہا۔

”ہاں۔۔۔ بہن آپ کی بات سو فی صد درست ہے۔ تاہم کچھ۔۔۔ لڑکیوں کو گھر کے معاملات سنبھالنے میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے۔۔۔ اگر ان کے ہاتھ میں سارا خرچہ دے دیا جائے تو دو دن میں ہی کھاپی کر بیٹھ جائیں۔۔۔ پھر باقی مہینہ گھروالے کیا دھول پھانگیں گے؟۔ ویسے بھی میں یہ دعویٰ نہیں کرتی کہ میری خوشی ایک دم پرفیکٹ ہے تاہم۔ میں نے اس کی تربیت ایسی سخت کی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے سے بڑوں کا احترام کرے گی۔ آپ کو انشا اللہ اس کی طرف سے شکایت کا موقع نہیں ملے گا،“ سلمیٰ بہو کے طنز پر تلملا اٹھی۔۔۔ اسے سنانے کے ساتھ ساتھ بیٹی کا دفاع بھی کیا۔

”بھئی۔۔۔ میں اپنی بہو کے معاملات میں بلاوجہ ٹانگ اڑانے کی خواہش مند نہیں، دہن سیاہ کریں یا

سفیداب یہ ان کا گھر ہے۔۔ اپنا سمجھیں تو نفع۔۔ درخت نقصان اٹھائیں گی۔۔ وہ مسکرا کر مہمانوں کو اسکو انش پیش کرتی ہوئی خوشی کو دیکھتے ہوئے متانت سے بولیں۔

”اس دور میں ایسی ساس، جو اپنی سلطنت بہو کو دینے میں لمحے بھر نہ سوچیں۔۔ کمال ہو گیا بھئی“ عمیمہ نے ان کی بات کو زوردار طریقے سے ہاتھ ہلا کر سراہا تو ان سب نے تائید میں سر ہلا دیا۔۔۔ سوائے خوشی کے جو اناری اور سبز رنگ کے لباس میں دھک رہی تھی۔ سلی الگ بہو کی باتوں پر بیٹھی کڑھتی رہیں۔

”نہیں۔۔۔ بھئی۔ اس کا کریڈٹ خوشی کو بھی جاتا ہے۔۔۔ ہماری دلہن بہت سمجھدار اور معصوم ہے۔۔۔ ہمیں اس نے کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔“ خورشیدہ نے کھلے دل سے اپنی بہو کی تعریف کی۔ ارمان نے مسکرا کر پہلے فخر سے ماں کو دیکھا، پھر جا کر خوشی کے برابر میں کھڑا ہو گیا جو سب باتوں کو نظر انداز کیے مہمانوں کی مدارات میں مصروف ہو گئی۔ ارمان کی ناشتے کے لیے پکار پر وہ خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔ تیزی سے ڈائننگ ہال کی طرف بڑھی۔ ☆

☆.....☆.....☆

”اماں۔۔۔ ماما کہاں گئیں؟“ اپنے سر اور شوہر کے سامنے جلدی جلدی ناشتہ لگاتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ ”خوشی۔۔۔ بیٹا۔۔۔ وہ جو ہماری کام والی شریفان مائی ہے نہ اس کی بیٹی کی شادی ہے۔ اس بیچاری کے پاس تو پیسہ کوڑی ہے نہیں۔ روتی گاتی۔۔۔ ان کے پاس آئی کہ کچھ کر دیں تو بیٹی کو سادگی سے بیاہا جاسکے۔ ان کا تو وہ حال ”سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے“ بس وہ نکل پڑیں۔

اب انہوں نے محلے بھر کی خواتین کے پاس جا جا کر اس کی مدد کے لیے مہم کا آغاز کیا ہوا ہے“ اشتیاق انور نے مسکرا کر بہو کو بتاتے ہوئے بیوی کی تعریف کی تو وہ حیران رہ گئی۔ اس کا سرال جس علاقے تھا، وہ ایک ہائی سوسائٹی کہلاتی تھی، یہاں کے رہائشی، نہ بلاوجہ کسی کی زندگی میں مداخلت کرتے نہ ہی کسی سے ایسی توقع رکھتے۔ البتہ خوشی اور غمی میں گھنٹہ بھر کو شرکت ضرور کرتے۔ ایسی جگہ گھر گھر جا کر کام مائی کے لیے امداد اکٹھی کرنا۔ بڑی بات تھی۔

”میری ساس ہیں یا چلتا پھرتا، ویلفیئر ٹرسٹ۔۔۔ ہر وقت فلاحی کاموں میں مصروف۔“ خوشی نے سوچا

۔ وہ گم سم سی ارمان کی کرسی کے پیچھے ٹکری رہ گئی۔

”خوشی۔۔ پلیز ایک۔۔ ایک کپ چائے کا اور ہو جائے،۔۔ زرا جلدی۔ مجھے اور پاپا کو اب نکلنا ہے“ امان کی آواز پر وہ کچن کی طرف مزید چائے لینے بھاگی۔ ویسے تو اس کی ساس ہمیشہ سرجی کو ناشتہ کرا کر اپنے کاموں کے لیے باہر نکلتیں، لیکن آج شاید انہیں جلدی جانا تھا۔ اس لیے خوشی کو ان کا ناشتہ بھی تیار کرنا پڑا۔

خورشیدہ اشتیاق کے دو ہی بچے تھے۔ بڑا بیٹا ارمان اور چھوٹی بیٹی ثوبیہ۔ جس کی شادی کو دو سال ہو گئے تھے۔ وہ بھائی کی شادی میں شرکت کرنے شوہر کے ساتھ پاکستان آئی ہوئی تھی۔۔ ایک مہینہ شادی کی گھاگھی میں پلک جھپکتے گزر گیا۔ وہ اب کینیڈا واپس جا چکی تھی۔

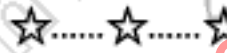
ارمان ایک غیر ملکی بینک میں وی پی کے عہدے پر فائز تھا۔ اچھی تنخواہ کے ساتھ مراعات ملی ہوئی تھیں۔ اشتیاق انور نے سرکاری نوکری سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایک ادبی ادارے کے اکاؤنٹس کا کام سنبھال لیا۔ وہ اس عمر میں بھی صحت مند اور چاق و چوبند تھے، اس پر اتنے سالوں کی مصروفیت کے بعد ایک دم سے در آنے والی فراغت، چند دنوں میں ہی گھر بیٹھ کر گھبرا گئے۔ دوست کے توسط سے اس نوکری کی آفر ہوئی۔ انہوں نے غنیمت جانا۔ ارمان باپ کو ان کے آفس چھوڑ کر اپنے بینک نکل جاتا۔

خوش بخت شادی کے بعد خوش تھی۔ اسے ارمان بہت چاہنے والا نرم مزاج اور حساس طبیعت کا انسان لگا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ شوہر سے ابھی بے تکلف نہ ہو پائی جب کہ ارمان کی بے تکلفی۔۔ لگتا تھا وہ اس کی جنم جنم کی ساتھی ہو۔ اشتیاق احمد بھی خوشی کو ثوبیہ سے کم نہ جانتے۔ جب بھی آفس سے واپس آتے اس کے لیے ایک مزید ارسی چاکلیٹ لاتے۔ بظاہر زندگی میں سکون ہی سکون تھا گویا حالات اس خاندان کے موافق جا رہے تھے۔ سلمی بانو بیٹی کی اونچی قسمت پر اسے سرال والوں سے بنا کر رکھنے کی تلقین کرتیں۔ ان کو بہو کے معاملے میں کچھ اچھا تجربہ نہ ہو سکا۔ البتہ۔ داماد بڑا شاندار تھا۔ بہو۔۔ عمیمہ انتہائی منہ پھٹ اور فضول خرچ لڑکی نکلی۔۔ سلمی غصے میں کم نہ تھی۔۔ یوں آئے دن کے دنگل فساد شروع ہو گئے۔ ارتضیٰ ماں اور بیوی کے بیچ میں پھنس کر رہ گیا۔

کس کی سنوں؟۔۔ کس کی نہ سنوں؟“ کبھی کبھی تو وہ ہر وقت کی چاؤ چاؤ سے گھبرا کر حلق کے بل چیخ

اٹھتا۔ اس کے بعد پچھتا تا۔ بیوی کی آنکھ میں آنے لے بر داشت ہوتے نہ ہی ماں کا دل دکھا کر وہ سکون سے سو پاتا۔۔۔ ارتضیٰ نے مجبور ہو کر زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنا شروع کر دیا۔۔۔ رات گئے لوٹا جب دونوں سو چکی ہوتی۔۔۔ بیٹے کو خود سے دور جانا دیکھ کر سلمیٰ بانو بیمار رہنے لگیں۔

خوشی کو سسرال میں بظاہر کوئی مسئلہ نہ تھا۔۔۔ مگر میکے سے ملنے والی ایسی اطلاعات اسے ڈرا دیتیں۔ وہ صلح جو نرم مزاج کی لڑکی اس گھر کا ماحول میکے جیسا دیکھنے کی خواہش مند نہ تھی۔ اسی لیے لب سیئے، بغیر اعتراض کیے۔۔۔ خاموشی سے گھر کے کاموں میں الجھی رہتی۔ ہاں۔۔۔ کبھی کبھی اپنی ساس کی عادتوں پر بھی الجھتی۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر وہ سسرال میں کسی کو مکمل طور پر سمجھ نہ پائی تو وہ ”خورشیدہ اشتیاق“ کی شخصیت تھی۔ کبھی کبھی وہ اسے بہت اچھی لگتیں، کبھی ان کی محبت ڈرامہ دکھائی دیتی۔ وہ کنفیوز ہو جاتی۔۔۔ یوں دل ہی دل میں ان کی اچھائی یا برائی کی جانچ کرنے پرتل گئی۔



”اوہ۔۔۔ میرے اللہ۔۔۔“ جلنے کی مہک سے اس کی آنکھ کھلی تو اس نے بالوں کو سیٹھے ہوئے کچن کی طرف دوڑ لگا دی۔ ساس کو قیے کی پتیلی میں چمچ چلاتے دیکھا۔۔۔

”آج تو خیر نہیں۔۔۔ ماما۔۔۔ یقیناً غصہ کریں گی“ دل ہی دل میں خوف زدہ ہو گئی۔۔۔

”میں نے قیے میں تھوڑا سا دودھ ڈالا ہے، اس سے جلنے کی مہک نکل جائے گی، اصل میں ارمان کو جلا ہوا سالن بالکل پسند نہیں۔ کچھ آلو جو جل گئے تھے، انہیں اس میں سے نکال کر دوسرے آلو ابال کر ڈال دیے ہیں۔۔۔ پانچ منٹ دم پر رکھا ہے۔۔۔ اب تم دیکھ لینا۔۔۔ مجھے ارشد کا اسکول میں ایڈمیشن کروانا ہے۔۔۔ اس لیے صالح کے پاس جا رہی ہوں۔۔۔ وہ آج کل ایک اسکول میں پرنسپل ہے۔“

خورشیدہ اس سے یوں مخاطب تھی، جیسے یہ کوئی معمول کی بات ہو۔ ساتھ ساتھ ان کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔۔۔ صالح ان کی چھوٹی نند کا نام تھا۔۔۔ یقیناً اب وہ اس غریب بچے کی تعلیم کی ذمہ داری بھی اٹھائیں گی۔ اس سے پہلے تو وہ اپنی غلطی پر نادام سوچے جا رہی تھی کہ آج تو ساس بہو میں خوب جھگڑا ہوگا۔ لیکن ان کے ماتھے پر تو ایک بل نہ آیا۔ وہ ہونٹ بھیچنے ان کے منہ سے اس بچے کی داستان غم سنتی رہ گئی۔

”کیا۔۔۔ ساس بھی۔۔۔ ایسی ہوتی ہیں؟۔۔۔ اس کی ماں بھی تو اس کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کی یوں ہی پردہ داری کرتی تھیں، ماما بھی تو ماں ہی ہیں۔۔۔ پہلے ارمان کی اب اس کی اس نے انہیں نم آنکھوں سے دیکھا۔“ وہ۔۔۔ اصل میں شام کے لیے آلو قیمہ چڑھا کر لیٹی۔ تو۔۔۔ جانے کیسے آنکھ لگ گئی، خوشی نے ان کے بغور دیکھنے پر صفائی پیش کی۔

”کوئی بات نہیں۔۔۔ کبھی ہو جاتا ہے“ انہوں نے اس کے کاندھے پر اپنا ہاتھ نرمی سے رکھ کر تسلی دی اور باہر نکل گئیں۔ خوشی پیچھے سے ان کی چوڑی پشت دیکھتی رہی۔ وہ اس کے سر کے مقابلے میں انتہائی معمولی شکل کی تھیں، پھیلا جسم، قدرے گہری رنگت، البتہ ان کے نقوش انہیں جاذب نظر بناتے تھے۔۔۔ اس کے باوجود اشتیاق انور بیوی کے شیدائی تھے۔ گھر کا ہر کام انکی مرضی سے ہوتا۔ باپ بیٹا، ان کی ہی بات کو اولیت دیتے۔ خوشی تو یہ سب دیکھ دیکھ کر بے ہوش ہوئی جاتی۔۔۔

اس بات سے نا آشنا کہ وقت ہمارے دامن میں صرف پھول ہی نہیں کانٹے بھی بکھیر دیتا ہے۔۔۔ ان کے باہم ملن سے حاصل ہونے والی چھین اور راحت کا نام ہی زندگی ہے۔

☆.....☆.....☆

”ماما۔۔۔ وہ میں امی کے گھر جانا چاہ رہی تھی“ خوشی نے ٹھوڑا گھبرا کر کہا۔ وہ چار دن قبل ہی تو میکے سے لوٹی تھی،۔۔۔ شادی کے بعد پہلی بار ارمان نے بڑی مشکلوں سے اسے ایک ہفتہ رکنے کی اجازت دی۔ روز اس کے میکے فون کھڑکھڑا کر اپنی بے تابیوں کا حال سنائے جاتا۔۔۔ وہ بھی مسکرا مسکرا کر شوہر کی بے قرار یوں سے حظ اٹھاتی۔ اس کے اصرار پر بھی جلدی گھر نہ لوٹی۔۔۔ میکے کے حالات نے اسے یہاں رکنے پر مجبور کیا۔

بڑے بھائی کا اترا چہرہ اسے بہت ڈسٹرب کر رہا تھا۔۔۔ روٹھی بھابھی اور ماں کو الگ الگ بٹھا کر پیار سے سمجھایا۔۔۔ دونوں کے بیچ تناؤ کو کم کرنے کے لیے بڑا زور لگایا۔ اس کے خلوص کا کچھ تو اثر ہوا کہ عمیمہ نند کے سامنے ساس سے مسکرا کر بات چیت کرنے لگی، ورنہ اس سے قبل تو دونوں ایک دوسرے سے کلام کرنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ وہ پرسکون ہو کر ارمان کے ساتھ سسرال لوٹ آئی۔

”اب۔۔۔ جانے ایسی کیا بات ہو گئی؟۔۔۔ اچانک امی کی شوگر اتنی بڑھ گئی کہ وہ چکرا کر گر پڑیں۔ ایک ڈرپ بھی

لگانی پڑی۔ سلمیٰ کی طبیعت خرابی کا احوال چھوٹی بہن سے بات کرنے پر پتا چلا تو اس کا دل اڑ کر وہاں پہنچنے کو بے قرار ہو گیا۔

”اچھا۔۔۔ ارمان کے ساتھ شام کو چلی جانا“ انہوں نے اپنی پرانی بنارس قمیض کی تریپائی کھولتے ہوئے چشمے سے اسے دیکھا۔ وہ شریفاں مائی کی بیٹی کے لیے اپنے کچھ پرانے کپڑوں کی مرمت میں مصروف تھیں۔۔۔

”جی۔۔۔ وہ ابھی جانا چاہ رہی ہوں۔ امی کی طبیعت کچھ خراب ہے۔“ خوشی نے ان کی طرف التجائیہ انداز میں دیکھا۔

”خیر۔۔۔ تو ہے دلہن؟“ انہوں نے سوئی کو دھاگے کی ٹکلی میں پرویا اور فکر مندی سے پوچھا۔

”جی۔۔۔ جی۔۔۔ بس ایسے ہی ذرا شوگر کا مسئلہ ہے“ اس نے بظاہر اطمینان سے کہا۔۔۔ وہ اپنے میکے کے راز ساس کے سامنے کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے چہرے پر چھائی اداسی کوئی اور ہی کہانی سنار ہی تھی۔۔۔

”ہر گھر کے اپنے مسئلے مسائل ہوتے ہیں۔۔۔ اگر دلہن مناسب نہیں سمجھ رہی تو مجھے مزید سوال نہیں پوچھنے چاہیے“ خورشیدہ نے کریدنے سے گریز کیا، ان کی اشتیاق انور کے ساتھ کامیاب شادی شدہ زندگی کے پس پردہ کئی ایسے ہی رمز چھپے ہوئے تھے، اپنی اچھی عادتوں کی بدولت ہی وہ معمولی شکل و صورت رکھنے کے باوجود شوہر کے دل پر آج تک چھائی ہوئی تھیں۔

”ہونہہ۔۔۔ ٹھیک ہے دلہن۔۔۔ ہم منع نہیں کر رہے پر، شادی شدہ زندگی کی کامیابی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اپنی مرضی چلانے کی جگہ شوہر کی مرضی پر چلو۔۔۔ دیکھنا وہ خود تمہارا عادی ہو جائے گا۔۔۔ انت میں ہو گا وہ ہی جو تم چاہو گی۔۔۔ خیر۔ ایسا کرو، ارمان کو فون پر مطلع کر دو، پھر بھلے ہی چلے جانا“ انہوں نے نرمی سے سمجھایا تو وہ سر ہلا کر کمرے کی طرف بڑھ گئی تاکہ شوہر سے بات کر سکے۔

”ارے یہ کیا؟۔۔۔ ارمان کی اتنی ساری مسڈ کال۔۔۔“ خوشی نے ڈرینگ سے اپنا سیل فون اٹھایا تو چونکی۔ اس نے فوراً نمبر ملایا۔

”واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ جانو۔۔۔ صحیح کہتے ہیں۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے، میں ابھی تمہارا نمبر ہی مل رہا تھا“ ارمان نے پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کی اور چہکا۔

”خیریت۔۔۔ آپ نے اتنی دفعہ کالی کی۔۔۔ میں ماما کے پاس تھی؟“ اس نے اپنی بات کہنے سے پہلے شوہر کی سننا چاہی۔ ساس کی باتوں کا اثر تھا۔

”ارے۔۔۔ یار آج میرے سارے دوستوں نے مل کر ہم دونوں کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔۔۔ بس تم آٹھ بجے تک تیار رہنا“ ارمان بڑا پر جوش ہو رہا تھا۔

”وہ۔۔۔ سنیں“ خوشی کی آواز حلق میں ہی گھٹ گئی۔

”ہاں۔۔۔ ہاں۔ آپ کی ہی تو سنتا ہوں۔ اچھے سے تیار ہونا، میرے سارے دوستوں کی بیویاں شادی کے بعد آج پہلی بار تم سے ملیں گی۔۔۔ ایسا کرو اپنا میرون والا سوٹ پہن لو، جو میں نے اس دن بوتیک سے دلایا تھا۔ تم مجھے اس لباس میں بہت اچھی لگتی ہو، اس کی سننے کی جگہ وہ اپنی سنانے میں لگا رہا۔ خوشی لب چباتے ہوئے اس کی سنتی چلی گئی۔



”آج تو تم سچ مجھ بہت پیاری لگ رہی تھی“ ارمان نے اس کے لمبے بالوں کو چھو کر کہا، جو اڑاڑ کر اس کے ہوش اڑا رہے تھے۔ خوشی کو احساس ہوا کہ شوہر کو ڈرائیونگ میں دشواری ہو رہی ہے۔ اس نے جلدی سے بالوں کو سمیٹ کر جوڑا باندھ لیا۔

وہ لوگ دس بجے تک دعوت سے فارغ ہو گئے تو۔۔۔ واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خوشی ان سب لوگوں کے خلوص کی مداح ہو گئی۔ سمندر کنارے واقع ریسٹورنٹ میں دی جانے والی دعوت بہت شاندار رہی۔ سب نے نئے کپل کو بہت سراہا۔ آخر میں دونوں کو سر پرانز گفٹ کے طور پر بہت ساری چاکلیٹس کے پیکٹ دیے گئے۔ امان نے شاید کسی دوست سے ذکر کر دیا تھا کہ خوش بخت تو بچوں کی طرح چاکلیٹ کی دیوانی ہے۔ بس تو ان سب نے یہ شرارت کی۔ دونوں میاں بیوی نے اس سر پرانز کو بھی خوب انجوائے کیا، ساری رونقوں کے باوجود خوشی کو جب بھی ماں کا خیال آتا تو وہ لمحہ بھر کے لیے چپ سی رہ جاتی، پر ارمان کا محبت بھرا انداز اسے بڑے سہاؤ سے محفل میں واپس لے آتا۔

کیا بات ہے؟۔۔۔ بڑی چپ چپ سی ہو، امان نے اس کی مسلسل خاموشی پر اسے ٹھوکا دیا اور تیزی سے

”کوئی بات نہیں۔۔۔ بس تھک سی گئی ہوں“ اس نے پھکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر کہا۔۔۔ شوہر کا خوش گوار موڈ اور محبت بھرا انداز کر دیکھ اس نے دل ہی دل میں اپنی ساس کا شکرا ادا کیا۔ اگر وہ ان کے مشورے پر عمل نہ کرتی اور ارمان کو بتائے بغیر میکے چلی جاتی تو شاید حالات اس کے خلاف ہو جاتے۔ ارمان ناراض ہو جاتا وہ الگ شرمندہ ہوتی۔۔۔ پر اس کی ساس کے خلوص نے اسے آج جیت لیا۔ وہ خیالوں میں کھوئی تھی کہ ارمان نے جھٹکے سے گاڑی روک دی۔ سامنے اس کی امی کا گھر تھا۔

”یہاں۔۔۔ اتروں۔۔۔ مطلب۔۔۔ آپ کو کیسے پتا چلا؟“ خوشی کے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا بولے اور کیا نہ۔۔۔ اسکی آنکھوں میں خوشی کے موتی چمک اٹھے۔

”محترمہ۔۔۔ اب اندر بھی چلو۔۔۔ سالی صاحبہ نے کب سے چائے کو ہلکی آنچ پر رکھا ہوا ہے۔۔۔ ساتھ ساتھ وہ بھی جل رہی ہوں گی“ ارمان نے اس کا ہاتھ پیار سے تھام کر اسے گاڑی سے اترنے میں مدد دی۔

”ارمان۔۔۔ آپ کتنے تیز ہیں۔۔۔ جب ہی تو یہاں آنے سے قبل فون پر کسی سے ہنس کر بات کر رہے تھے، یقیناً سونی کو کال کیا ہوگا“ خوشی نے شریک حیات کو دیکھا اور ناز سے کہا۔

”کیوں۔۔۔ سلی آئی۔۔۔ میری ماں جیسی نہیں کیا؟۔۔۔ ان کی طبیعت خراب ہو اور میں انہیں دیکھنے نہ آؤں ایسا کیسے ممکن تھا؟۔۔۔ ویسے جانو۔۔۔ کیوں ایک شریف آدمی کو بدنام کرتی ہو؟۔۔۔ جانتی ہو نہ ہر شریف آدمی اپنی بیوی سے ڈرتا ہے۔۔۔ میں تو ٹھہرا سیدھا سا معصوم انسان۔۔۔ جس پر اتنے بڑے بڑے الزام“ ارمان نے شرارت سے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

”جی۔۔۔ جی۔۔۔ صاحب تو جلیبی۔۔۔ بلکہ۔۔۔ امرتی کی طرح سیدھے ہیں“ خوشی نے پیاری سی ناک کو ادا سے چڑھایا۔ اور سرشاری ماں کے گھر کے دروازے کی بیل بجانے لگی۔ شوہر کے چھوٹے سے اس عمل نے اسکے اندر نئی توانائیاں سی بھر دیں۔۔۔ دل میں خوشیوں کے پھول کھل اٹھے۔ ارمان بھی مسکراتا ہوا اس کے ساتھ آکھڑا ہوا۔

شادی شدہ زندگی کا یہ پہلا ایسا چمکتا جگنو تھا جسے اس نے اپنی مٹھی میں چھپا کر دل میں بسالیا۔۔۔ یہ پیار بھرا

لحمہ۔ ارمان کا اس کی ماں کے لیے یوں حساس ہونا، رات گئے یکے کے کمرے کرنا۔ خوشی تو جیسے ہواؤں میں تیرنے لگی۔ اسے۔ لگا۔۔ اب ان دونوں کے دکھ سکھ سا بچے ہو گئے ہیں۔

”زندگی۔۔ بن گئے ہوتم“ خوشی کا دل ارمان کو یوں اپنے گھر والوں کے بیچ بیٹھا دیکھ کر گنگنا یا۔ وہ سلمیٰ کو اپنی صحت کا خیال رکھنے کی سختی سے تاکید کر رہا تھا۔ سلمیٰ سعادت مندی سے سر جھکائے داماد کی پیار بھری ڈانٹ سنتے ہوئے مسکائیں۔ خوشی کی نگاہیں ان پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ اس کی زندگی میں یہ لمحے امر ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

”تھینکس ٹو ماما۔۔ اگر آپ نہ بتاتی تو میں کیسے جان پاتا کہ خوشی کی امی بیمار ہیں اور وہ ان کی صحت کی طرف سے بہت فکر مند ہے۔ ان سے ملنے کو بے چین ہے“ کچھ الگ سا تھا جب۔۔ ارمان نے اپنے پہلو میں سوئی ہوئی بیوی کو پیار سے تکتے ہوئے ماں کو اس کی وجہ جانا۔ خوشی کے چہرے پر پھیلے اس کی ست رنگی محبت کے رنگ بڑے انوکھے لگے۔ ارمان نے دل ہی دل میں مسلسل اپنی ماں کو سلام پیش کیا، جنہوں نے دعوت میں جانے سے قبل اسے خاموشی سے اپنے کمرے میں بلا کر پوری بات بتائی۔

”دہن کو واپسی میں سلمیٰ بہن سے ملواتے ہوئے لانا۔۔ بچی کا دل صبح سے اداس ہو رہا ہے“ ارمان نے اجازت چاہی تو خورشیدہ نے دعا پڑھ کر پھونکنے کے بعد دھیرے سے سرگوشی میں تاکید کی۔ ارمان نے ماں کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔

ان دونوں کی شادی شدہ زندگی کی یہ پہلی رات تھی جب ارمان کو لگا کہ خوشی اپنی رضا اور دل و جان سے اس کی ہو گئی ہو۔ وہ کسمسائی تو اس نے جلدی سے بیوی کے اوپر چادر پھیلائی اور خود بھی تکیہ پر سر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔

☆.....☆.....☆

”یا اللہ۔۔ تیرا شکر ہے“ تہجد کی نماز ادا کر کے خورشیدہ جائے نماز طے کر رہی تھی کہ ان کی نگاہیں بے ساختہ ارمان کے کمرے کی طرف اٹھ گئیں۔ نائٹ بلب کی دودھیا روشنی چھن چھن کر کھڑکی سے باہر آرہی تھی۔ ان کے اندر عجیب سا نور اترتا چلا گیا۔ جو لوگ دوسروں کی زندگیوں کے لیے باعث راحت ہوتے ہیں۔ ان کی

خورشیدہ نے زندگی میں ایک بات سیکھی تھی کہ ”اگر شادی شدہ بیٹے کو ہمیشہ کے لیے اپنا بنانا ہو۔۔ تو پہلے بہو کو خوش دلی سے اپنالو۔۔ بیٹا خود بخود آپ کا ہو جائے گا۔ ورنہ بہو اور ساس کے بیچ جاری چپقلش کبھی کبھی اتنی خطرناک ہو جاتی ہے کہ یا تو مائیں اپنے بیٹوں کو کھودیتی ہیں یا بیویاں اپنے شوہروں کے دلوں سے اتر جاتی ہیں۔ یہ وہ رشتے ہیں جو ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔۔ جب جینا مرنا ایک ہو۔۔ تو کیوں نہ دکھ سے مرنے کی جگہ خوشی سے جی لیا جائے۔

خورشیدہ اشتیاق کے خلوص نے آج نہ صرف ان کی بہو کا دل جیت لیا، بلکہ بیٹے کے دل میں ان کا مان سمان اور بڑھ گیا۔

اپنے گھر کے اچھے ماحول کے لیے انہوں سب سے پہلے اپنی ذات سے جنگ کی رشک و حسد کے جذبے سے دامن چھڑایا۔ یوں کچھ ہارے بغیر سب کچھ جیت گئیں۔ وہ اب ایک فاتح کی طرح سراٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

